فکر و نظر--- اسلام آباد جلد: ۴۲ شمارہ: ۲

نقطۂ نظر:

عملِ قانون سازی

جسٹس محمد افضل چیمہ ☆

میں نے جب مذکورہ موضوع پر غور کرنا شروع کیا تو اس کے مفہوم کے تعین میں تین متبادل صورتیں میرے ذہن میں آئیں۔ بالفاظ دیگر میرے خیال میں اس پر تین مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے غور کیا جا سکتا ہے۔

اوّلاً: یہ کہ اگر وسیع تر تناظر میں دیکھا جائے تو انسانی تہذیب کے ابتدائی زمانہ سے لے کر قدیم یونانی اور رومی حکومتوں، اسلامی دور اقتدار، قرون وسطیٰ اور مغربی استعماریت، عہد حاضر اور قیام پاکستان سے لے کر آج تک کے مختلف ادوار میں عمل قانون سازی کی مختلف صورتوں اور ان کے ارتقائی مراحل کا تاریخی جائزہ اس موضوع بحث کے دائرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے اور اس سلسلہ کی آخری کڑی پاکستان کے دستور اور قانون میں شریعت کی بالادستی کے متعلق شامل دفعات جن میں چند سال قبل نافذ کیا جانے والا شریعت ایکٹ بھی شامل ہے، اس کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

ثانیاً: اگر محدود تر نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو دورِ حاضر کی سمٹتی سکڑتی دنیا کے تناظر میں قانون سازی کے مروجہ طریق کار، اس کے ابتدائی محرکات مثلاً کسی عوامی یا انتظامی مسئلہ کا قانونی حل، نجی یا سرکاری مسودہ قانون کی تیاری، عمل تسوید کی ضرورت، متعلقہ ماہرین کی تربیت اور پھر مسودہ قانون کی مجوزہ شکل و صورت و ترتیب عنوانات مثلاً Preamble یا پیش لفظ Title یا عنوان تاریخ، نفاذ، وسعت، حدود، اطلاق و نفاذ، مستعملہ مصطلحات کی تعریف سے لے کر نفس موضوع سے متعلقہ دفعات اور اختتامی شق متعلقہ وضع قواعد و ضوابط تک مسودہ کی توضیح و تشریح پھر متعلقہ قانون ساز ادارہ میں اس کا پیش کرنا۔ اس پر بحث و تمحیص، ترمیمی تجاویز، حزب اختلاف کا مزاحمتی کردار، متعلقہ ایوان میں اس کا پاس ہونا اور آخر میں گورنر یا صدر مملکت کی منظوری کے بعد اس کے نفاذ تک قانون سازی کے طریق کار اور دستورالعمل پر مکمل بحث تک کے جملہ عنوانات موضوع کے ضمن میں آتے ہیں جن پر اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔

پاکستان کے تناظر میں غور کیا جائے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی اور جس کے حصول کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس خطہ ارضی میں قرآن و سنت کی روشنی میں ایک ایسا پرامن معاشرہ قائم کیا جائے جو اسلامی اصول و اقدار، مساوات، اخوت، عدل عمرانی شورائیت وغیرہ پر مبنی ہو جس کی تفصیل قرار داد مقاصد میں موجود ہے اور جو بحمداللہ اب باقاعدہ جزء آئین ہے۔ اگرچہ موضوع کے الفاظ میں اس قسم کی کوئی وضاحت یا تحدید و تخصیص مذکور نہیں ہے تاہم میں نے اسے اقتضاء النص کے اصول کے ماتحت Understood یعنی مقدر تصور کرتے ہوئے اسی نقطہ نگاہ سے اس پر اظہارِ خیال کرنے کی کوشش کی ہے۔

اگرچہ لفظ شریعت، اصطلاحی معنوں میں قرآن و سنت کا مترادف سمجھا جاتا ہے تاہم اس کے لغوی معنی قانون کے ہیں۔ اور ''احکام تشریعی'' کی اصطلاح خالصتاً قانونی احکام کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اسلامی قانون کا ماخذ اوّل قرآن کریم ہے جو اللہ کریم نے نوع انسانی کی ہدایت کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ پر بذریعہ وحی نازل فرمایا اور جس میں عقائد، عبادات، معاملات، عقوبات، غرضیکہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے مسائل کے متعلق بنیادی نوعیت کے راہنما اصول و احکام موجود ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

ونزّلنا علیک الکتٰب تبیاناً لکل شیء وھدی وّرحمة وّبشری للمسلمین. [النحل: ۸۹]

الغرض اسلامی قانون کی اساس اوّل قرآن کریم ہے۔ نزول قرآن کے ساتھ ساتھ اللہ کریم نے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے حضور ﷺ کی ذات بابرکات کو احکام قرآن کی تعلیم و تعلم، توضیح و تشریح نیز حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور اقوال و افعال کو اُمت مسلمہ کے سامنے بطور عملی نمونہ پیش کیا۔ مثلاً قرآن کریم میں نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادات کا ذکر تو موجود ہے لیکن ان کی عملی شکل و صورت کی تفاصیل ہمیں صرف حدیث اور سنت نبوی کے ذریعے ملتی ہیں۔ حضور ﷺ کی اس معلمانہ اور مربیانہ حیثیت کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار آتا ہے، ارشاد ربانی ہے:

(۱) کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتِنَا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب والحکمة. [البقرہ: ۱۵۱]

(۲) لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من أنفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتِہٖ.[آل عمران: ۱٦٤]

چنانچہ اسلامی قانون کا دوسرا مآخذ حدیث اور سنت نبوی ہے۔

جس طرح اللہ کریم نے **اِنا نحن نزّلنا الذکر و انا له لحافظون** کے الفاظ میں قرآن کریم کی صحت و حفاظت کی ذمہ داری خود قبول فرمائی۔ اسی طرح سنت نبوی کی حفاظت اور اس کی تشریح و توضیح کے اہم فریضہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے ضروری اسباب فراہم کر دیے اور ثقہ علماء حق کی ایک جماعت کو ہر زمانہ میں اس کام کے لیے مخصوص فرما دیا۔

چنانچہ سنت رسول ﷺ کا اتباع بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح قرآنی احکام کی تعمیل ہے اور جس کی تاکید اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات قرآنیہ میں فرمائی مثلاً ارشاد ربانی ہے:

۱۔ **فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم، ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما.** [النساء: ٦٥]

۲۔ **من یطع الرسول فقد اطاع الله.** [النساء: ٨٠]

۳۔ **لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة.** [الاحزاب: ۲۱]

۴۔ **وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم، ومن یّعص الله و رسوله فقد ضل ضلٰلاً مُبیناً.** [الأحزاب: ٣٦]

۵۔ **وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوّحی.** [النجم: ۴]

٦۔ **وما اٰتٰکم الرسول فخذوه ومانهٰکم عنه فانتهوا.** [الحشر: ۷]

حضور ﷺ کی زندگی میں تمام حل طلب مسائل کے لیے صحابہ کرام حضور ﷺ کی طرف رجوع فرماتے جو وحی جلی یا وحی خفی کی روشنی میں ان کے متعلق فیصلے فرما دیتے۔ حضور ﷺ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد جہاں ایک طرف خلفائے راشدین اور صحابہ کرام حضور ﷺ کی راہنمائی سے محروم ہوگئے وہاں دوسری طرف اسلامی سلطنت کی وسعت کے نتیجہ میں بے شمار جدید مسائل نے جنم لیا۔ چنانچہ اوّلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا حکم دیا تو حضرت عمرؓ نے ابتداً اس سے اختلاف کیا اور بالآخر صحابہ کرام کی مجلس مشاورت میں طویل بحث و تمحیص کے بعد پورے شرح صدر سے متفقہ طور پر اس کی تائید کی گئی اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مفتوحہ علاقوں کی مزروعہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ متنازع فیہ بن گیا جس پر صحابہ کرام میں شدید اختلاف رائے

ہے اور اہل الرای حضرات کے متعلق راسخون فی العلم، شرح صدرہ للاسلام اور اہل الذکر کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

۱۔ افلا یتدبرون القرآن. [النسآء: ۸۲]

۲۔ أفلا یتدبرون القرآن اَم علی قلوب اَقفا لها. [محمد: ۲۴]

۳۔ لعلمه الذین یستنبطونه منهم. [النسآء: ۸۳]

چنانچہ آیات قرآن اور احادیث نبوی کی روشنی میں استنباط و استخراج کے علاوہ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے جدید مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کو بنظر تحسین دیکھا جس کا ثبوت حضرت معاذ بن جبل کے ساتھ حضور ﷺ کے مکالمہ کی صورت میں موجود ہے۔ جب حضور ﷺ نے انہیں یمن کا گورنر مقرر کرنے کے بعد رخصت فرمایا۔ مکالمہ درج ذیل ہے:

(۱) حدیث رواہ ابو داؤد: "أخبرنی معاذ بن جبل أن رسول الله ﷺ لما أراد أن یبعثه إلی الیمن قال کیف تقضی إن عرض علیک قضاء قال أقضی بکتاب الله، قال فان لم تجد فی کتاب الله؟ قال فبسنة رسول الله قال فان لم تجد فی سنة رسول الله؟ قال اجتهد برأیی ولا آلو.

(۲) حدیث نبوی: "إذا حکم الحاکم فاجتهد و أصاب فله اجران و إذا حکم فا خطأ فله اجر واحد".

صحابہ کرامؓ شریعت اور مقاصد دین کے پیش نظر اجتہاد کرتے تھے اور اکثر الفاظ و معانی، شان نزول اور محل و موقع کی تعیین سے مدد لیتے اور کبھی احکام کی علت اور مصلحت کی جستجو اور نظائر پر قیاس کر کے مسائل کا حل تلاش کرتے۔ مثلاً حرمت شراب پر غور کیا جائے تو اس کی علت اس کی خاصیت سکر اور حکمت حالت سکر میں دماغی توازن اور قوت فیصلہ کا متاثر ہونا ہے، چنانچہ فقہاء نے اسی سے یہ کلیہ وضع فرمایا "کل مسکر حرام". ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ خود قرآن کریم میں ارشاد ہے: "والذین جاهدوا فینا لنهدینّهم سبلنا" [العنکبوت: ۶۹] چنانچہ اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجتہاد ہے۔ اس اجتہادی استدلال اور منطقی استخراج و استنباط کے ذریعے جدید مسائل کے حل کو فقہی اصطلاح میں قیاس کہا جاتا ہے جو اسلامی قانون کے مسلسل ارتقاء اور نشوونما کی مستقل ضمانت ہے تاکہ یہ بدلتے ہوئے حالات اور احوال و ظروف میں رفتار زمانہ کا ساتھ دے سکے اور جدید مسائل کا حل پیش

اسلامی قانون کا چوتھا ماخذ اجماع ہے۔ جس سے مراد حضورﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک اُمت مسلمہ کے علمائے مجتہدین کا متواتر اور متفقہ طرزِ عمل ہے خواہ اس کے جواز کی سند قرآن و سنت سے نہ بھی ملتی ہو۔ اُمت کے اس متفقہ و متواتر طرزِ عمل کی حجیت پر فقہاء نے قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔ "**ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولّه ما تولّی و نصله جهنم و سآء ت مصیرا**" [النساء: ۱۱۵]

جس نے واضح ہدایت کے بعد رسول اللہﷺ کی مخالفت کی اور مومنین کے اختیار کردہ راستہ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ پر چل پڑا تو ہم اسے اس طرف موڑ دیں جدھر وہ مڑا اور اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے جو بری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی۔

حضورﷺ کا ارشاد ہے:

(۱) **مارآه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن.**

(۲) **ید الله علی الجماعة.**

(۳) **لاتجتمع أمتی علی خطا.**

(۴) **لم یکن الله لیجمع أمتی علی الضلالة.**

فقہاء نے اجتماعی اجتہاد کا دوسرا نام بھی اجماع ہی رکھا ہے۔

اسلامی قانون کی تاریخ اور اس کے ارتقائی مراحل پر عربی زبان میں ایک مصری عالم شیخ محمد الخضری مرحوم نے "تاریخ التشریع الاسلامی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ہے مصنف نے اسلامی عمل قانون سازی کے مراحل کو حضورﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک چھ ادوار میں تقسیم کیا ہے جس میں صحابہ کبار، صحابہ صغار، ائمہ اربعہ کا دور اور بعدازاں خلافت عباسیہ کے خاتمہ تک کے ادوار شامل ہیں اور آخری دور کو جو عہد حاضر تک حاوی ہے دورِ تقلید کے نام سے موسوم کیا ہے۔

میں نے اپنی صوابدید میں اور بالخصوص برصغیر پاک و ہند پر انگریزی تسلط، اقتدار اور قیامِ پاکستان کی نسبت سے اسلامی عمل قانون سازی کو مندرجہ ذیل ادوار پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ دورِ نبویﷺ

۴۔ دورِ تقلید جو عہدِ مغلیہ اور برطانوی عہد پر مشتمل ہے۔
۵۔ دورِ حاضر جو قیام پاکستان سے لے کر آج تک جاری ہے اور جس کا آخری عملی نمونہ ہمارے دستور اور قوانین میں موجودہ نافذالعمل دفعات ہیں جن کا تعلق شریعت کی بالادستی سے ہے۔

عہد نبوی

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، حضور ﷺ کی اپنی دو گونہ حیثیت تھی یعنی بطور شارع اسلام اور شارح اسلام۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں مسائل کے حل میں کوئی دشواری پیش نہ آتی تھی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضور ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جدید مسائل کے حل تلاش کرنے کے لیے اہل الرأی صحابہ کرام کی مشاورت سے جنہیں براہ راست حضور ﷺ کے تربیت یافتہ اور صحبت سے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل تھی استفادہ کیا جاتا تھا۔ ارشاد نبوی ہے: "اصحابی بمنزلة النجوم فی السماء بأیهم اقتدیتم اهتدیتم" اور اسی نقطہ نظر سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم"۔

عہد ثانی

خلفائے راشدین کے ایام میں نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں حضور ﷺ کے اقوال و افعال و تقریرات کی تلاش کے لیے انتہائی جستجو سے کام لیا جاتا تاہم اس ابتدائی مرحلہ میں تدوین حدیث کے لیے باقاعدہ اہتمام سے قصداً گریز کیا جاتا رہا تاکہ قرآنی آیات سے ان کا التباس و اختلاط نہ ہونے پائے۔ جس طرح متعدد غزوات میں حفاظ قرآن کی شہادت کی وجہ سے ان کی تعداد میں مسلسل کمی سے جمع القرآن کی شدید ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کے تیار شدہ نسخہ قرآن کی بنیاد پر مزید نسخے تیار کرائے۔ جن میں سے ایک نسخہ اُم المومنین حضرت حفصہؓ کی تحویل میں بھی تھا اور پھر انہیں کوفہ، بصرہ، بغداد، دمشق، مدینہ میں سرکاری استعمال کے لیے ارسال فرمایا۔ اس طرح حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں تدوین حدیث کا کام پہلی مرتبہ باقاعدہ طریقہ پر شروع کرنے کا اہتمام کیا گیا جو ان کے بعد بھی سالہا سال تک جاری رہا۔ محدثین نے ایک ایک حدیث کے سلسلہ اسناد کے مختلف رواۃ سے ذاتی طور پر رابطہ قائم

تھا کہ علوم اسلامیہ میں اسماء الرجال کے ایک منفرد علم کا اضافہ ہوا اور رواۃ کی تحقیق و تفتیش کے لیے جامع اصول پر مشتمل ایک جدید فن ''الجرح والتعدیل'' کے نام سے معرض وجود میں آیا۔ رواۃ کی کثرت تعداد کی بنیاد پر احادیث نبوی ﷺ کی تقسیم متواتر، مشہور اور خبر واحد کی صورت میں کی گئی۔ اسی طرح ان کی ثقاہت کے اعتبار سے احادیث کو صحیح، حسن اور ضعیف یعنی تین اقسام میں منقسم کیا گیا اور طریقہ تدوین کی تین مختلف صورتیں معرض وجود میں آئیں۔ اتصال سند اور رواۃ کے اعتبار سے جمع شدہ احادیث (مسانید) کہلائیں۔ حروف تہجی کے اعتبار سے ''معاجم'' اور موضوعات کے اعتبار سے ''سنن'' کی اصطلاحات سے موسوم کی گئیں۔ غرضیکہ تدوین حدیث کے کام میں روایت و درایت، دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا۔ بدقسمتی سے حضرت عثمانؓ کی شہادت اور واقعہ تحکیم کے بعد دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کے لیے فضا ہموار ہوگئی اور عمل قانون سازی میں بھی دیانتدارانہ اختلاف رائے کے علاوہ بعض اوقات تعصّبات کا عمل دخل ہونے لگا۔ جس نے بعض معاندین کو جھوٹی حدیثیں وضع کر کے حضور نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔ احادیث موضوعہ کا مرکز زیادہ تر عراق بن گیا۔ حتیٰ کہ اسے حدیثوں کی ٹکسال قرار دیا گیا۔ مزید براں شیعہ سنی اختلاف سے بھی فتنہ وضع حدیث کو تقویت ملی۔ تاہم محدثین کرام اس سے غافل نہ تھے۔ انہوں نے ایسے محکم معیارات اور واضح اصول متعین کیے جن کی روشنی میں صحیح احادیث کو جانچنا ممکن ہوا اور موضوعات کو پہچاننے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔

تابعین کے دور میں اجتہادی کاوشوں کے ذریعے قانون سازی یا عمل تشریعی کو علمی حیثیت مل گئی اور اجتہاد کی تین قسمیں یعنی اجتہاد توضیحی اجتہاد استنباطی اور اجتہاد اصطلاحی مزید مستحکم ہوگئیں اور ان میں کافی حد تک وسعت پیدا ہوگئی۔ تبدیل احوال و ظروف سے تبدیلی احکام کی ناگزیری کو اس فقہی اصول کی صورت میں تسلیم کیا گیا۔ ''**لا ینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان**''.

اس اصول کے اطلاق کی مثالیں صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی موجود تھیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ نے عام الرمادہ میں چوری کے جرم میں قطع ید کی سزا حالات معمول پر آنے تک معطل کر دی یا پھر مصلحتاً اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح پر وقتی پابندی عائد کر دی۔ مفتوحہ علاقوں کی زرعی اراضی کی تقسیم کے معاملہ میں بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں سابقہ طرزِ عمل سے اختلاف کیا۔ تبدیلی احکام سے حکم کو باطل کرنا ہرگز مقصود نہ تھا بلکہ اس کے نفاذ کا محل و موقع متعین کرنا تھا۔

نفاذ کا محل و وقوع متعین کیا۔ لیکن بعض صورتوں میں نظرثانی کی ضرورت پیش آئی اور بعض میں نہ آئی۔ مثلاً تالیف قلوب کے لیے زکوٰۃ دینے کی ممانعت یا اجازت، کتابیہ سے نکاح کی ممانعت یا اجازت۔

دورِ ثالث: تبع تابعین و ائمہ مجتہدین کا دور

اس دور میں اسلامی سلطنت کی وسعت کے ساتھ بہت سی نئی اقوام مثلاً ایرانی، رومی، حبشی، ترکستانی اور سندھی حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات کے تفاوت، ایرانی اور رومی تہذیبوں کے ساتھ تعامل اور اختلاط سے نئے نئے مسائل نے جنم لیا۔ چنانچہ ائمہ مجتہدین نے ان بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں وقتی اور مقامی مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتہاد کے زریں اصول اور تشریعی اقوال (Legal Maximes) وضع کیے جن سے عمل قانون سازی اور تعبیر قانون کے لیے نئی راہیں کھل گئیں اور علم فقہ کو علم تشریع (Legal Science) کا ایک اہم حصہ قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اصول تعبیر "Principle of Interpretation" کے مغربی مصنفین (Crais & Maxwell) کی مشہور کتابیں ہیں جو ہمارے ہاں ہر جج اور وکیل کے زیر مطالعہ رہتی ہیں اور جنہیں ہم میں سے اکثر لاعلمی کی بناء پر مغربی ماہرین قانون کی دماغی کاوشوں اور جدت طرازیوں کا ماحصل سمجھتے ہیں۔ بڑی حد تک ہمارے ائمہ مجتہدین کی خوشہ چینی پر مبنی ہیں اور بعض اصول تو ائمہ اور فقہاء کے وضع کردہ کلیات کا لفظی ترجمہ ہیں۔ اس کی ایک مثال عبارۃ النص اشارۃ النص دلالۃ النص اور اقتضاء النص کی تعبیری اصطلاحات کی صورت میں پیش کی جا سکتی ہے۔

عبارۃ النص سے مراد وہ حکم ہے جو الفاظ کے عام مروجہ مفہوم کے مطابق ہو اور جس میں کسی ابہام و اشکال کی گنجائش نہ ہو۔

اشارۃ النص سے مراد وہ حکم ہے جو مقصود کلام تو نہ ہو مگر جس کے متعلق کلام میں اشارہ موجود ہو مثلاً سورۃ البقرہ کی آیت ۲۳۳ میں ہے: **"وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف"** جس سے مراد یہ ہے کہ بچے کے باپ پر دودھ پلانے والی عورتوں کا کھانا اور کپڑا وغیرہ دستور و رواج کے مطابق واجب ہے۔ تاہم علی المولود لہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بچے کے نسب کی

ہو۔ مثلاً ”**لا تقل لّهما أفٍ**“ سے مراد یہ ہے کہ والدین کو اُف تک نہ کہو۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ ان پر دشنام طرازی یا دست درازی کسی صورت بھی جائز نہیں ہے۔

اقتضاء النص سے مراد وہ حکم ہے جو کسی محذوف لفظ کے اضافہ سے جو مقدر ہے مذکور نہیں واضح ہو جاتا ہے۔ مثلاً ”**فمن عفی له من اخیه شیء فاتباع بالمعروف و آداء الیه باحسان ذلک تخفیف من ربکم ورحمة، فمن اعتدی بعد ذلک فله عذاب الیم**“ (البقرہ/۱۷۸)

اس میں مال مطلوب محذوف ہے۔

ان اصولِ تعبیر کے علاوہ فقہ اسلامی کے بے شمار اصول آج کی مہذب دنیا میں مقبول اور مروج ہیں۔ ملزم کو شک کا فائدہ دینے والا زریں اصول بجائے خود حدیث نبوی پر مبنی ہے، ارشاد ہے: ”**ادروء الحدود بما استطعتم وان نظرتم ممبررا فخلوا سبیله**“.

مدعی پر بار ثبوت کا اصول یہ ہے: ”**البینة علی المدعی والیمین علی من انکر**“. سطور ذیل میں چند وہ فقہی اصول درج کیے جاتے ہیں جو مغربی دنیا میں بھی مقبول و مروج ہیں۔

۱۔ **اِنَّما الاعمال بالنیات. لاثواب الا بالنیة. الامور بمقاصدها.**

۲۔ **الضرر یزال** سے **لا ضرر ولاضرار فی الاسلام.**

۳۔ **الاصل براءة الذمه** جو Initial Presumption of Innocence کے مترادف ہے۔

۴۔ **لامساغ للاجتهاد فی مورد النص.**

۵۔ **الضرورات تبیح المحظورات.**

۶۔ **درء المفاسد اولی من جلب المنافع.**

۷۔ **یختار اهون الشرین/ اهون البلیتین.**

۸۔ **الضرر الاشد یزال بالشرر الاخف.**

۹۔ **إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام.**

ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابوحنیفہ (۸۰-۱۵۰ھ) امام مالک (۹۳-۱۷۹ھ) امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ) اور امام احمد بن حنبل (۱۶۴ تا ۲۴۱ھ) نے چار فقہی مسالک کی بنیاد رکھی۔ وہ اپنے معاصرین میں علم و تقویٰ کے اعتبار سے انتہائی قابل احترام و ممتاز ترین فقہاء شمار کیے جاتے تھے۔ یہ

میں ان کے درمیان دیانتدارانہ اختلاف رائے موجود تھا اور وہ اپنے اپنے موقف پر علی وجہ البصیرۃ قائم رہے اور آج بھی مختلف ممالک میں ان کے پیروکار موجود ہیں۔

ابتداء میں اسلامی عمل قانون سازی کی صرف ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ تھی کہ قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کی روشنی میں احوال شخصی قانون مدنی اور قانون جنائی وغیرہ کے اصول اور فقہاء کے فتاویٰ کو مدون کر دیا جائے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلی تدوین خلیفہ ابوجعفر المنصور کے ایماء پر حضرت امام مالکؒ نے کی جو ''موطا امام مالکؒ'' کے نام سے موسوم ہے۔ دیانتدارانہ اختلاف رائے کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت امام مالک نے مصلحتاً خلیفہ وقت کی اس رائے سے اوّلاً اتفاق نہ کیا کہ اسے باقاعدہ ملکی قانون کی حیثیت سے سرکاری طور پر حکماً نافذ کر دیا جائے۔ بعدازاں ۵۹۳ھ میں معروف فقیہ اور عالم دین برہان الدین ابوالحسن علی مرغینانی نے ''ہدایہ'' کی تدوین کی جو اسلامی عمل قانون سازی کے سلسلہ میں ایک اور اہم کڑی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے ممتاز علماء کرام اور فقہائے عظام نے فتاویٰ عالمگیری (۱۰۶۷ھ سے ۱۰۱۸ھ) مرتب کیا جو عربی زبان میں تھا اور جس کا انگریزی ترجمہ بیلی (Baily) نے کیا۔

دور رابع ۲۵۶ عیسوی میں سقوط بغداد (۶۵۶ھ) یعنی حکومت عباسیہ کے اختتام اور بعد ازاں سپین سے مسلمانوں کے اخراج ۱۴۹۲ء سے لے کر سلطنت مغلیہ کے زوال ۱۸۵۷ء تک مغربی استعماریت کا دور تھا جس میں اسلامی قانون کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا تاہم سلطنت عثمانیہ کے آخری دور میں سلطان ترکی کے حکم پر عالم اسلام کے ممتاز ترین علماء و فقہاء کے تعاون سے ''مجلۃ الاحکام العدلیہ'' از ۱۸۶۹ تا ۱۸۷۶ء مدون کیا گیا جو اسلامی سول لاء کا مستند نسخہ ہے مگر بعد ازاں فروری ۱۹۲۶ء میں یعنی سلطنت عثمانیہ کے خاتمہ کے دو سال بعد نئی حکومت کی قومی اسمبلی نے اسے منسوخ کر کے سوئیس کوڈ (Swiss Code) پر مبنی نیا قانون مدنی نافذ کیا۔ تاہم مجلۃ الاحکام العدلیہ ترمیم شدہ شکل میں آج بھی عراق، شام اور اُردن میں کسی حد تک رائج و مروج ہے۔

اسلامی سلطنتوں کے زوال اور اختتام سے لے کر پاکستان کے معرض وجود میں آنے تک کا دور کم و بیش ''دورِ تقلید'' تھا، اگرچہ بعض ممتاز مصلحین اُمت جن میں علامہ اقبالؒ کا نام سرفہرست ہے۔

مضمحل گردد چو تقویم حیات ملت از تقیدی گرد ثبات
راہ آباء رو کہ این جمعیت راست معنی تقلید ضبط ملت است
اجتہاد اندر زمان انحطاط قوم را ابرہم ہمی پیچد بساط
ز اجتہاد عالمان کم نظر اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

برصغیر پاک و ہند میں انگریزی عہد حکومت میں مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے احوال شخصی کی حد تک بظاہر فقہ اسلامی کے مطابق کیے جانے کی اجازت تھی تاہم بالفعل نکاح، طلاق، وراثت، وصیت وغیرہ معاملات میں فیصلے سو فیصد اسلامی قانون کے مطابق نہیں ہوتے تھے بلکہ اس قانون کو اینگلو محمڈن لاء (Anglo Mohammadan Law) سے موسوم کیا جاتا تھا۔ مثلاً زرعی جائیداد کی وراثت کے معاملہ میں اسلامی قانون وراثت کے بجائے قانون رواج پر عمل ہوتا تھا۔ جدی جائیداد میں بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور قانون رواج کے مطابق وہ محروم الارث رہتی تھیں، تاہم لارڈ وارن ہیسٹنگ کے عہد میں (۱۷۷۵ تا ۱۷۸۵ء) ہدایہ کا ترجمہ پہلی مرتبہ انگریزی زبان میں کرایا گیا۔ اسی طرح اسی زمانہ میں فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ ۱۸۷۴ء میں انگریزی میں کرایا گیا اور انگریز جج صاحبان انہیں تراجم کی مدد سے ان کے احوال شخصی سے متعلقہ مقدمات کے فیصلہ کیا کرتے تھے۔ بعدازاں ۱۹۱۱ء میں جسٹس عبدالرحیم بار ایٹ لا جج مدراس ہائی کورٹ نے انگریزی زبان میں پرنسپلز آف محمڈن جورس پروڈنس (Principles of Mohammadan Jurisrpudence) کی تالیف و تدوین کی جو آج کل لاء کالجوں کے نصاب میں درسی کتاب کے طور پر شامل ہے۔ اس کے بعد ۱۹۲۸ء میں سیّد امیر علی نے جو پریوی کونسل (Privy Council) کے پہلے ہندوستانی جج تھے محمڈن لاء کی تدوین کی۔ اسی بمبئی ہائی کورٹ کے جج جسٹس ملا Mullah نے پرنسپلز آف محمڈن لاء (Principles of Mohammadan Law) مدون کی جو اسلامی سول لاء میں مستند کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

دورِ خامس یا دورِ حاضر

مملکت خداداِ پاکستان کے قیام کے بعد جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی، اسلامی عمل قانون سازی کے سلسلہ میں پہلا قابل ذکر اقدام مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے انگریزی ترجمہ کی

میں ہمارے قائدین کو ۹ سال کا طویل عرصہ لگ گیا اور دستور ساز اسمبلی نے پہلا آئین ۱۹۵۶ء میں مرتب کیا جس میں قرارداد مقاصد کو پیش لفظ یا (Preamble) کے طور پر شامل کیا گیا۔ اگرچہ اس کے مندرجہ رہنما اصول اسلامی اقتدار پر مبنی اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے راہنمائی ضرور کرتے تھے تاہم وہ دستوری دفعات کی طرح لازماً واجب التعدیل یا واجب التعمیل نہ تھے۔ البتہ یہ عمل قابل ستائش ہے کہ دستور میں مغربی جمہوری نظام کے علی الرغم اس بنیادی حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ حاکمیت عوام کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ہے جو خالق و مالک ہے اور اختیارات حاکمیت کا استعمال عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے صرف اور صرف قرآن و سنت کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہی کیا جا سکتا ہے اور انگلستان کے دارالعوام کی طرح ایک اسلامی قانون ساز ادارے کے اختیارات قانون سازی غیر محدود نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کے ذریعے ہمارے لیے نیک و بد، خیر و شر، حلال و حرام، جائز و ناجائز قانونی اور غیر قانونی کی قطعی اور مستقل تقسیم کر دی ہے جو ناقابل تغیر ہے۔ چنانچہ پاکستان کے کسی صوبائی یا مرکزی قانون ساز ادارے کے لیے یہ امر ناقابل تصور ہے کہ وہ انگلستان کے دارالعوام کی طرح عصمت فروشی، اغلام یا ممنوعہ حدود ازدواج کے جواز کے متعلق کوئی قانون بنا سکے اور عورت کی عصمت و بکارت کو نظرانداز کرتے ہوئے جائز اور ناجائز اولاد کا امتیاز ختم کر دے یا یہ کہ رائے عامہ کے مدوجزر کے مطابق کبھی تو قتل کے جرم میں سزائے موت منسوخ اور کبھی بحال کر دے اور کبھی عارضی طور پر شراب نوشی پر پابندی عائد کرنے کے بعد اسے ختم کر دے۔

۱۹۵۶ء کے دستور میں جو بدقسمتی سے دو سال کے اندر اندر مارشل لاء کی نذر ہوگیا دو اہم اداروں یعنی اسلامی نظریاتی کونسل اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کا اہتمام کیا گیا اور ان کے ذریعہ سے اسلامی عمل قانون سازی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اسلامی کونسل کے فرائض میں انگریزی عہد کے موروثی قوانین کو اسلام کے مطابق وضع کرنا تھا نیز کسی زیرغور مسودہ قانون کی متنازعہ شق کے متعلق حکومت کو اس کی اسلام سے مطابقت یا عدم مطابقت کی نسبت مشورہ دینا شامل تھا۔ جبکہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے فرائض میں علمی تحقیق کی روشنی میں تصنیف و تالیف کے ذریعہ اسلامی دور اقتدار کے علمی اور سائنسی کارناموں کو منظر عام پر لانا اور اسلامی اقدار کے فروغ کے لیے کوشش کرنا شامل تھا۔

۱۹۶۲ء کے دستور میں ان دونوں اداروں کو بحال رکھا گیا۔ اگرچہ ۱۹۷۳ء کے دستور میں

امر واقعہ یہ ہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے عسکری دور میں جو ۱۹۷۷ء میں شروع ہوا پہلی مرتبہ نفاذِ شریعت اور اسلامی قوانین کے وضع کرنے کے متعلق خلوص نیت سے کام شروع کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ اگرچہ مارشل لاء کا نفاذ کسی ملک کے لیے بھی خوش آئند نہیں ہے تاہم میں باوجود خود تردید کے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور یہ میری دیانتدارانہ اور قطعی رائے ہے کہ جنرل صاحب مرحوم تنفیذ شریعت یا نظامِ مصطفیٰ کا نام عسکری حکومت کو طول دینے کے لیے حیلے کے طور پر ہرگز استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس معاملہ میں سو فی صد مخلص تھے۔ چنانچہ انہوں نے پہلی مرتبہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو ہمہ وقتی سربراہ کی سرکردگی میں کی۔ اس کے لیے ضروری فنڈز مہیا کیے اور غیر ملکی ماہرین قانون کی خدمات بھی حاصل کیں۔

میں یہ بات بھی بلا تکلف عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے ہرگز کسی علم و فضل کا دعویٰ ہے نہ تھا، البتہ دستوری تقاضا یہ تھا کہ کونسل کا سربراہ کسی جج کو مقرر کیا جائے تاہم میرے فاضل رفقاء میں ہر مسلک کے جید علماء شامل تھے جن میں سے بعض اپنے علم اور تقویٰ کے لحاظ سے ممتاز اور معروف بین الاقوامی شخصیتیں شمار ہوتے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، خواجہ قمر الدین صاحب سیالویؒ، مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی، مفتی محمد حسین نعیمیؒ اور ماہر دستور ساز مولانا ظفر احمد انصاریؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ریٹائرڈ جسٹس صلاح الدین، مسٹر اے کے بروہی مرحوم اور خالد اسحاق مرحوم جیسے معروف و ممتاز ماہرین قانون بھی شامل تھے جن کے تعاون کا شرف مجھے حاصل تھا۔ اس دور میں قانون زکوٰۃ، قوانین حدود، دیت و قصاص کے قانون کی تسوید وفاقی شرعی عدالت کا قیام وغیرہ اہم اقدامات کیے گئے۔ نیز نظامِ سیاست، نظامِ قانون و عدل، نظام تعلیم اور نظام معیشت کو اسلامی خطوط پر استوار کرنے کے لیے جامع تجاویز مرتب کی گئیں۔ اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ قوانین حدود کی تسوید پر غیرملکی سطح پر شدید ردِعمل رونما ہوا۔ وزارت خارجہ سے احتجاجی مراسلے موصول ہوئے کہ آج کی مہذب دنیا میں چودہ سو سالہ قدیم معاشرے کے وحشیانہ قوانین کیوں نافذ کیے جا رہے ہیں چنانچہ مجھے سفراء کے ثقافتی مجلس کے ایک اجلاس میں اظہار خیال کی دعوت دی گئی جس میں میں نے حتی المقدور قوانین حدود کے اہم پہلوؤں کی وضاحت کی۔ قطع ید کی سزا کی نصف درجن استثنائی صورتوں کا ذکر کیا جس پر برطانوی سفیر کا ردعمل یہ تھا: ''جسٹس چیمہ آپ نے

اسلامی عمل قانون سازی کے اس دور کے ایک خاصیت یہ تھی کہ ان کی تسوید کے سلسلہ میں کوئی مفید اور قابل تقلید نظائر ہمیں میسر نہ آسکے اور یہ ایک بالکل جدید قسم کا عدیم النظیر کام تھا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عام قانون سازی کا ایک طے شدہ طریق کار ہے اور امر واقع یہ ہے کہ کم و بیش ہر مسودہ قانون کی تیاری مغربی ممالک کے کسی نہ کسی قانون کی نقالی یا ترمیم شدہ صورت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں تربیت یافتہ ماہرین تسوید موجود ہیں۔ میں نے خود بحیثیت وفاقی لاء سیکرٹری اس طرح کی تربیت کا اہتمام امریکی ادارہ ایشیاء فاؤنڈیشن (Asia Foundation) کے تعاون سے کولمبیا یونیورسٹی (Columbia University) نیویارک میں پروفیسر گراڈ کی زیرنگرانی کرانے کا اہتمام کیا مگر اسلامی قانون سازی کی ابتدائی تسوید میں ان تربیت یافتہ ماہرین کی خدمات سے استفادہ ممکن نہ تھا۔ ایک اور مشکل یہ تھی کہ ہمارے علماء کرام اگرچہ فقہی اصول و احکام سے تو واقف تھے مگر عدالتی نظام کے عملی پہلوؤں سے بہت حد تک بے خبر تھے اس کے برعکس مغربی قوانین کے ماہرین کو فقہ اسلامی کے اصل ذخائر تک رسائی حاصل نہ تھی جو عربی زبان میں تھے۔ چنانچہ قدم قدم پر اختلاف رائے کا ہونا ناگزیر تھا جس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ قانون شہادت کے سلسلہ میں علماء کرام کے خیال میں تزکیۃ الشہود کے الگ قیام کے نظام کا قیام ناگزیر تھا مگر جب ان کی خدمت میں میں نے بصدِ ادب یہ وضاحت کی کہ قانون شہادت میں ایسی دفعات موجود ہیں جن کی رو سے عدالت یا وکیل فریق مخالف کو گواہ کی سماجی حیثیت، اس کی دیانت و صداقت اس کی سیرت و کردار اس کی ساکھ کو مجروح (Shake his Credik) کرنے کے متعلق ہر قسم کے تحقیقاتی سوال پوچھنے کا اختیار حاصل ہے جس سے تزکیۃ الشہود کا مقصد بطریق احسن پورا ہو جاتا ہے تو انہوں نے از راہ کرم اس سے اتفاق فرمایا۔

۲۔ دوسرا اختلافی مسئلہ یہ تھا کہ قانون حدود میں ''شاہد عادل'' کی تعریف کے سلسلہ میں علماء کرام نے گواہ کے مسلمان ہونے پر اصرار کیا جو میری ناقص رائے میں دورِ حاضر کے احوال و ظروف میں ضروری نہیں تھا حتیٰ کہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں بھی اس پر اصرار نہیں کیا گیا تھا مگر علماء کرام اپنے اصرار پر قائم رہے۔

۳۔ تیسری صورت اختلاف رائے کی یہ تھی کہ قذف کی سزا کے متعلق عام فحاشی اور حرام کاری کو

میں دی جائے جب عدالت یہ واضح فیصلہ صادر کرے کہ الزام زنا غلط تھا کیونکہ عین ممکن ہے کہ محض ایک یا دو گواہوں کی شہادت کی بناء پر جن کی تائید قائن کی شہادت سے ہو رہی ہو، عدالت الزام کی صداقت پر مطمئن ہو جائے مگر علماء کرام نے اسے مسترد کر دیا۔

آخری اختلافی مسئلہ یہ تھا کہ میں نے دیہاتی معاشرے کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ تجویز پیش کی تھی کہ محروم الارث پوتے کے حق میں بقدر حصہ کے اس دادا کے ہبہ یا وصیت کو بطور لیگل فکشن (Legal Fiction) یا قانونی مفروضہ تسلیم کر لیا جائے الّا یہ کہ دادا از خود اس کی تحریری طور پر تردید کر دے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ علماء کرام نے اس اہم اور مفید تجویز کو بھی مسترد کر دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اسلامی عمل قانون سازی کا آخری اقدام ہمارے سامنے نافذالعمل شریعت ایکٹ کی صورت میں موجود ہے جو اگرچہ اس کو جاری کرنے والی حکومت کے خلوصِ نیت پر بھرپور دلالت کرتا ہے تاہم سردست یہ محض ایک نیک خواہشات کے مقدس اعلان کی حیثیت رکھتا ہے جن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے متعدد قوانین کی تسوید و تنقید ضروری ہوگی۔ اس کے علاوہ دستور کی بعض دفعات میں بھی ترمیم ناگزیر ہوگی۔

آخر میں، میں دو چیزوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں: پہلی بات یہ ہے کہ اگرچہ اصلاح معاشرہ میں قانون ایک اہم کردار ادا کرتا ہے تاہم یہ کردار لازماً محدود نوعیت کا ہے اس سلسلہ میں گھر کا دینی ماحول، مدرسہ میں اساتذہ کی صحیح تربیت اور ان کا اپنے کردار سے اسلامی اقدار کا عملی نمونہ صحیح اسلامی عقائد کی تعلیم و عبادات کی پابندی، قرآن و سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ ضروری ہیں جس کی عملی مثال ہمارے قائدین کو اپنی سیرت و کردار سے قوم کے سامنے پیش کرنی چاہیے۔ جن میں صدر مملکت، وزیراعظم، وزراء کرام، علماء دین، منتخب نمائندگان، ارکانِ عدلیہ، حکام و عمال سب شامل ہیں۔ جیسا کہ بجا طور پر کہا گیا ہے "**الناس علی دین ملوکھم**". عادات السادات سادات العادات۔ اس کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ اور نفاذِ شریعت کے لیے ملک گیر سطح پر ایک ترغیباتی مہم کا جس میں سیاسی قائدین عوامی نمائندے علمائے کرام سرکاری حکام و عمال سب شامل ہوں۔ فوری طور پر شروع کرنا ضروری ہے جو معاشرتی مفاسد کے خلاف جہاد کی صورت اختیار کرلے۔

اگرچہ او آئی سی (O.I.C) نے اس قسم کی ایک مجلس کا اہتمام کیا ہے تاہم اسے وسیع تر اور فعال بنانے کی ضرورت ہے تاکہ مقامی مجلس فقہاء اہم متنازعہ مسائل کے حل کے لیے ان سے رجوع کر سکے۔ رابطہ عالم اسلامی میں بھی اس نوعیت کی ایک مجلس موجود ہے مگر ان کا دائرہ کار بہت محدود ہے۔